مرتب: حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب بنیری*

اسلام کا عائلی نظام اور مغرب زدہ طبقوں کی ریشہ دوانیاں

دارالعلوم حقانیہ کے بورڈ کی طرف سے شادی کمیشن کی سفارشات پر تنقید وتبصرہ

تقریباً نصف صدی قبل 1956ء میں مغربی اور سیکولر لابیوں سے مرعوب روشن خیالوں نے اسلام کے عائلی نظام نکاح' طلاق' تعدد ازدواج میں اصلاح کے نام پر ایک شادی کمیشن قائم کیا جو اس سارے نظام کے بارہ میں سفارشات پیش کریں' ان سفارشات پر ملک بھر میں تنقید کا ایک طوفان اٹھا کمیشن کے ایک غیرت مند رکن جید عالم دین مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے اختلافی نوٹ میں سفارشات کا مدلل توڑ کیا' انہی سفارشات کے نتیجہ میں اس وقت کے ڈکٹیٹر فوجی سربراہ صدر ایوب نے موجودہ عائلی قوانین نافذ کیے جو اب تک رائج ہیں' کمیشن نے ان سفارشات کے بارہ میں دارالعلوم حقانیہ سے بھی رائے مانگی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس سرہ نے اس وقت کے مفتی اور جید استاد مولانا مفتی محمد یوسف بنیری قدس سرہ کی نگرانی میں اساتذہ کا ایک بورڈ قائم کیا' جو ان سفارشات پر اپنی رائے اور تنقید وتبصرہ کرے' مولانا مفتی محمد یوسف مرحوم نے حضرت شیخ الحدیث اور دیگر اساتذہ کے مشاورت سے مفصل تنقیدی جواب لکھا' جس پر اس وقت کے صدر المدرسین استاذی مولانا عبدالغفور سواتیؒ نے بھی دستخط ثبت کیے۔ ۵۰ سال قبل کی یہ عالمانہ اور وقیع تحریر میرے مسودات میں محفوظ تھی روشن خیالوں کے ہاں آج بھی انہی مسائل کو مشق تنقید بنانے کا سلسلہ جاری ہے' اس لحاظ سے یہ تحریر فتنہ پردازوں کیلئے آج بھی تازہ ہے (سمیع الحق)

دفعہ نمبر ۳۔ بیک وقت تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جائیگا۔

تنقید وتبصرہ: ایک ہی مجلس میں تین طلاقوں کے بارے اسلام کے احکام نہایت واضح ہیں۔ اسلام نے کبھی اس مذموم اور قبیح فعل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا ہے۔ علماء اسلام نے ہر دور میں اسکو روکنے کی کوشش کی ہے غالباً امت مسلمہ میں سے کوئی بھی عالم ایسا نہ گزرا ہوگا۔ جس نے اس قبیح رسم کو اچھا سمجھ کر اسکی ہمت افزائی کی ہو۔ تمام علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ یہ بدعی طلاق ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس قبیح رسم کو بند کرلیا جائے۔ کیونکہ نصوص صریحہ کی بناء پر یہ فعل معصیت اور

* سابق مدرس ومفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

بدعت ہے۔تمام علماء امت یہ تسلیم کرتے ہیں۔کہ یہ فعل اس طریقہ کے خلاف ہے۔جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے طلاق کے لئے مقرر فرمایا ہے اور اس سے اہم مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں۔حدیث میں آیا ہے۔کہ ایک شخص نے بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔تو حضور ﷺ غصہ میں آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: کیا اللہ عزوجل کی کتاب سے کھیل کیا جاتا ہے۔حالانکہ میں ابھی تمہارے اندر موجود ہوں'' بعض دوسرے احادیث میں یہ تصریح ہے۔کہ حضور نے اسکو معصیت فرمایا ہے۔اور حضرت عمرؓ کے متعلق تو یہاں تک روایات میں آیا ہے۔کہ ان کے پاس جو شخص مجلس واحد میں تین طلاق دینے والا آتا تو وہ اسکو درے لگاتے تھے'ہم مانتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں یہ طریقہ عام ہو گیا ہے۔لوگ کسی فوری جذبہ کے تحت اپنی بیویوں کو تین طلاقیں دے دیتے ہیں۔پھر نادم ہو کر شرعی مسئلے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔کوئی جھوٹی قسمیں کھا کر طلاق سے انکار کرتا ہے۔کوئی حلالہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اور کوئی طلاق کو مخفی رکھ کر اپنی بیوی کے ساتھ بدستور سابق تعلقات باقی رکھتا ہے۔اسی طرح ایک گناہ کے خمیازے سے بچنے کیلئے متعدد دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ان خرابیوں کا سد باب کرنا ہمارے نزدیک از حد ضروری ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ان خرابیوں کے سد باب کیلئے کیا یہی ایک صورت متعین ہے کہ تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جائے؟ اور وہ بھی ایسی ہو جس سے اگر جمہور امت کے متفقہ فیصلہ کو ٹھکرایا جائے۔تو کوئی پرواہ نہیں۔مگر اور وزراء حکام کی بیگمات ناراض نہ ہوں۔حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ جیسے اکابرین امت اور سابقین دین اور جلیل القدر مذہبی پیشواؤں کے متفقہ فیصلہ کو یکدم منسوخ کر کے کہیں دوسری جگہ سے رہنمائی حاصل کرنا امت کیلئے موجب خیر و برکت نہیں بلکہ تباہی اور ہلاکت کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے ذیل کے سطور میں ہم ان کا متفقہ فیصلہ اس بارے میں پیش کرتے ہیں تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ تین طلاقوں کو روکنے کیلئے مجوزہ دینی حیثیت سے کسی طرح بھی مفید نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی اور بھی صورتیں ممکن ہیں۔حکومت کو چاہیے کہ ان ہی کے ذریعہ سے اس رسم کا انسداد کرے''امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیدے تو اسمیں علماء کا اگرچہ اختلاف ہے۔مگر جمہور اصحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مذاہب اربعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبل اس بات کے قائل ہیں۔کہ یہ تین طلاقیں ہی شمار کئے جائیں گے۔اور عورت مغلظہ ہو جائیگی'' (نووی شرح مسلم ج اش ۴۸) حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس پر ایک قسم کا احتجاج ہو چکا ہے۔کیونکہ صحابہؓ کے حضور میں حضرت عمرؓ کا تین طلاقوں کا نافذ اور مغلظہ قرار دینا اور صحابہؓ کا اس پر سکوت کرنا اجماع کے حکم میں شمار کر لیا جا سکتا ہے۔

اسلامی فقہ کے بعض ماہرین نے یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ اگر حکومت اس کے خلاف تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کر کے فیصلہ کر بھی دے۔مگر وہ نافذ نہیں اسے فتح القدیر سے نقل کر کے لکھتے ہیں۔ولو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه " اگر کوئی حاکم تین طلاقوں کے بارے میں ایک ہی طلاق کا فیصلہ کر دے۔تو یہ نافذ ہی نہیں ہے'' روایات

میں یہ بھی تصریح آتی ہے کہ ابن عمرؓ نے جب اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدی تو حضور ﷺ نے اس تنبیہ دیکر فرمایا "ابن عمر تم نے غلط طریقہ اختیار کر دیا۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ طہر کا انتظار کرو پھر ایک ایک طہر پر ایک ایک طلاق دو" پھر جب وہ تیسری مرتبہ طاہر (پاک) ہو تو اس وقت یا طلاق دیدو یا اس کو روک لو" اس پر ابن عمرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو بتایئے کہ اگر میں تین طلاق دیدیتا تو کیا مجھے رجوع کا حق باقی رہتا؟ حضور ﷺ نے فرمایا "نہیں وہ جدا ہو جاتی اور یہ گناہ ہوتا"

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہو گیا کہ تین طلاقیں دینا گناہ ہے وہاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیک وقت تین طلاقیں دیدی جائیں تو تین ہی واقع ہونگی۔ اور اس کے بعد رجوع کا حق باقی نہیں رہتا ہے۔ پھر آپ ہی بتائیں کہ تین طلاقوں کے بعد شرعاً جب عورت مغلظہ ہو جاتی ہے۔ اور زوج کو حق رجوع باقی نہیں رہتا ہے یہاں تک کہ حکومت کا فیصلہ بھی اسکے خلاف نافذ نہیں۔ تو عورت کو تین طلاق دیدینے کے بعد کسی قانون کی رو سے اپنے پاس رکھا جائیگا۔ اس پر بھی جب وہ اسے پاس رکھکر اسکے ساتھ زن وشوہر کے سابق تعلقات بحال کرے تو کیا ان دونوں سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ جائز اولاد ہوگی یا حرامی؟ اس لئے ہمارے نزدیک صحیح طریقہ یہ ہے۔ کہ تین طلاق دیدینے کے بعد زوج کا حق کسی طرح بھی حاصل نہ ہو۔ البتہ اس قبیح رسم کی انسداد کسی دوسرے طریقہ سے ہم ضروری سمجھتے ہیں جس کے لئے حکومت علماء کے مشورے سے مناسب اقدام کر سکتی ہے۔ ہمارے خیال میں اس کے لئے ایک صورت یہ ہو سکتی ہے۔ کہ مطلقہ عورت کو جسے بیک وقت تین طلاقیں دی گئی ہوں۔ زوج پر عدالت میں دعوے کرنے کا حق دیا جائے اور عدالت کی طرف سے زوج پر جرمانہ مقرر کر دیا جائے۔ اس کے لئے ہمارے پاس حضرت عمرؓ کے عمل کی نظیر موجود ہے۔ ان کا فریضہ یہ تھا۔ کہ جب ان کے پاس ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے تو اس شخص کا مقدمہ آجاتا تھا۔ تو وہ طلاق کو نافذ کر کے ایسے شخص کو سزا دیتے تھے تو زجراً اگر آج بھی ایسا کیا جائے۔ تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا۔

دفعہ نمبر۴: عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ زوج کو طلاق دے سکے"

تمہید برائے تنقید:

نمبرا۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ کہ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے عورتوں کو تمام حقوق دیئے ہیں۔ جو فطرۃً عورتوں کے مبنی حقوق اور عورتیں اپنے منصب کے لحاظ سے آپکے جائز حقدار ہیں۔ انسانی معاشرہ اور اور تمدنی زندگی میں عورت کی جو قدر ومنزلت ہے۔ وہ اسلام اور اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ اسلام قبل عورتوں کی حالت چارپایوں اور جانوروں سے کچھ بھی مختلف نہ تھی۔ مال ومتاع کی طرح تقسیم کیجاتی تھیں۔ مخلوق خدا میں بدترین مخلوق سمجھ کر بے انتہا مظالم ان پر

ڈھائے جاتے تھے۔ یہاں تک نوبت پہنچ چکی تھی کہ ان کی قدرتی پیدائش مہربان باپ کیلئے بھی وبال وجان بن جاتی۔ اور پیدائش کے بعد یا سے زندہ درگور کر دیتا یا اسے ذلت کی زندگی بسر کرنا پڑتی۔ اسلام نے آکر اس قبیح رسم کے حیاسوز نظام کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا اور عورت کو حیوانیت کے مقام سے اٹھا کر انسانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ اور بجائے اسکے کہ وہ مال متاع کی طرح تقسیم ہو۔ خود مرد کے ساتھ انسانی حقوق کی تقسیم میں مساوی طریقہ سے شریک ٹھہری۔

نمبر۲۔ اسلامی قانون ازدواج میں زوجین کیلئے نہایت عدل وانصاف کیساتھ واضح حقوق اور اختیارات متعلقین کئے گئے۔ تعدی کی صورت میں خواہ مرد کی جانب سے ہو یا عورت کی جانب سے دادرسی کا مکمل انتظام کیا گیا ہے۔ لہذا مسلمانوں کیلئے کسی نئے قانون کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ جس چیز کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسلام کا قانون ازدواج اپنی صحیح صورت میں پیش کی جائے۔ اور اس کو صحیح طریقہ سے نافذ کر دیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ازدواجی زندگی میں جو بے اعتدالیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ یہ سب اسلامی قانون ازدواج کے نفاذ سے دور ہو جائینگی۔

آج مسلمانوں کے گھروں میں جو ازدواجی زندگی میں تلخی اور تباہی رونما ہوئی ہے اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلامی قانون ازدواج میں حقوق کی تقسیم اور اختیارات کے استعمال کیلئے حدود مقرر نہیں کئے گئے ہیں۔ بلکہ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک طرف مسلمانوں میں دینی تعلیم وتربیت کا فقدان ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمان اسلام کے قانون ازدواج سے اس قدر بیگانہ ہو چکے ہیں۔ کہ آج اچھے اچھے تعلیم یافتہ لوگ بھی اس قانون کے معمولی مسائل سے ناواقف ہیں۔ اور دوسری طرف غیر اسلامی تمدن کا اثر ہے جسکی بدولت مسلمانوں کے ذہنوں سے اسلامی زوجیت کا تصور ہی مٹ چکا ہے۔

نمبر۳۔ اسلامی قانون ازدواج میں جہاں اور بہت سی چیزیں اہمیت رکھتی ہیں وہاں یہ چیز بھی حد سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ خانگی زندگی میں نظم ونسق ہو۔ اور یہ نظم برقرار رہے بھی جو زوجین میں سے کسی ایک کو قوام بنائیکے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مرد اور عورت اگر دونوں مساوی درجہ اور مساوی اختیارات رکھتے ہوں۔ تو خانگی زندگی میں بدنظمی کا پیدا ہونا یقینی امر ہے جس کے فی الواقع ان قوموں میں رونمائی ہو رہی ہے جنہوں نے مثلاً زوجین کے درمیان غیر فطری مساوات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام چونکہ ایک فطری مذہب ہے۔ اس لئے اس میں فطرت انسانی کا لحاظ کر کے زوجین میں ایک کو قوام اور حساب امراء کو دوسرے کو مطیع اور ماتحت بنانا ضروری سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ قوامیت کیلئے اس نے اس فریق کا انتخاب کر دیا۔ جو فطرت یہی درجہ لیکر عالم وجود میں آ گیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علیٰ بعض ۔ مرد عورتوں پر اس بنا پر قوام (حاکم) ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ یہی وہ درجہ ہے جو قانون ازدواج کی رو سے ازدواجی زندگی میں مرد کو عورت سے زائد دیا گیا ہے۔ وللرجال علیھن درجۃ" مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ زیادہ دیا گیا ہے"

تنقید وتبصرہ: اس تمہید کے پیش نظر جب ہم دفعہ نمبر ۴ پر جسمیں عورت کو طلاق دینے کا مستقل حق مرد کی طرح دیا

گیا ہے۔غور کر کے کہیں۔تو ہم اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔کہ کمیشن کے ارکان یا اسلامی قانون ازدواج کے علم سے بالکل بہرہ ہیں یا ان کو یہ پتہ ہی نہیں کہ اسلام نے ازدواجی زندگی کیلئے کوئی قانون بھی بنایا ہے۔اگر علم ہو تو دیدہ دانستہ اس قانون کو مغرب زدہ طبقہ کی خاطرداری کیلئے پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔اور علماء نے اسلام کے مشوروں کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔آج کئی نسلیں جو فرنگی تہذیب سے متاثر ہوئی ہیں۔ان کا حل یہ ہے کہ وہ لھن مثل الذی علیھن بالمعروف . تو بہت زور سے پڑھتے ہیں مگر للرجال علیھن درجة پر پہنچ کر ان کی آواز دب جاتی ہے۔اور جب الرجال قوامون علی النسآء کا فقرہ سامنے آتا ہے۔تو ان کا بس نہیں چلتا ہے۔کہ کسطرح اس آیت کو قرآن کریم سے نکال دیں۔وہ اپنے دل میں اپنی بات پر شرمندہ ہیں۔کہ ان کے مذہب کی مقدس کتاب میں یہ آیت پائی جاتی ہے۔اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ فرنگی تہذیب نے عورت اور مرد کی مساوات کو جو سور پھونکا ہے۔اس سے وہ دہشت زدہ ہو گئے ہیں اور ان کے دماغوں میں ان ٹھوس اور مستحکم عقلی اصولوں کو سمجھنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے۔جن پر اسلام نے اپنا نظام معاشرت قائم کیا ہے۔

اسلامی قانون ازدواج سے معمولی واقفیت رکھنے والے ایک منٹ کیلئے بھی یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ مرد کی طرح عورت کو بھی طلاق دینے کا حق یا اختیار حاصل ہے۔یہ حق اسلام نے مرد اور صرف مرد ہی کو دیا ہے۔عورت کو اس حق سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا گیا ہے۔اس سے بہت سے مصالح اور حکم ہیں۔جن میں سے ایک یہ ہے۔کہ اسلام کا قانون ازدواج اس امر پر چونکہ زیادہ زور دے رہا ہے۔کہ مرد و عورت کے درمیان ازدواجی تعلق جب ایک دفعہ قائم ہو جائے۔تو پھر امکانی حد تک اسے برقرار رکھا جائے اور جہاں تک ہو سکے اسے مستحکم بنایا جائے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے طلاق کو بہت مبغوض قرار دیا ہے۔

ابغض المباحات الی اللہ الطلاق تمام مباح چیزوں میں طلاق اللہ کے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے تزوجوا ولا تطلقوا فان اللہ لا یحب الذواقین والذواقات ''نکاح کرو اور طلاقیں زیادہ مت دو اللہ تعالیٰ مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں سے محبت نہیں رکھتا ہے'' اور استحکام اس وقت حاصل ہو سکتی ہے۔جبکہ طلاق دینے کا اختیار زوج کیلئے مخصوص کر دیا جائے۔چونکہ مرد اپنا مال خرچ کر کے حقوق زوجیت حاصل کرتا ہے۔اسلئے ان حقوق زوجیت حاصل کرتا ہے۔اسلئے ان حقوق سے دست بردار ہونے کا اختیار بھی اسے مخصوص طور پر دینا چاہئے۔اگر عورت اسلام کے قانون ازدواج کے تحت طلاق کی مختار ہوتی۔تو مرد کا حق ضائع کرنے پر دیر ہو جاتی اکابر کے جو شخص مال صرف کر کے کوئی چیز حاصل کر گیا۔وہ اس کو آخری حد تک اپنے پاس رکھنے کی کوشش کریگا۔اور صرف اس وقت چھوڑ گیا۔جب اس کے لئے چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔لیکن اگر مال صرف کرنے والا پاک ہو اور ضائع کرنے کا اختیار دوسرے کو دیا جائے تو یہ تم کو جاگتی ہے۔کہ یہ شخص اپنے اختیار کے استعمال میں اس شخص کے مفاد کا لحاظ کریگا۔جس نے

مال صرف کیا ہے۔ نیز طلاق دینے کے بعد زوج کے ذمہ عورت کا نفقہ عدت۔ اولاد کی رضاعت سکونت وغیرہ کیلئے کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں۔ جن میں رشتہ ازدواج کے منقطع ہونے کے علاوہ مزید نقصانات پہنچنے کا فری اندیشہ ہے ۔اسلئے زوج حتیٰ الامکان طلاق دیتے ہیں۔ بڑے احتیاط سے کام گیا۔ بخلاف عورت کے اس کو طلاق دینے کے بعد کچھ لینا پڑتا ہے اور دینا کچھ بھی نہیں ہوتا ہے ۔اسلئے اگر یہ اختیار عورت کی طرف منتقل کردیا جائے۔ تو اس قدر طلاق کی کثرت ہوگی۔ کہ ازدواجی زندگی میں نظم ونسق درہم برہم ہوکر رہیگا۔ پس دو کو طلاق کا اختیار دینا نہ صرف مرد کے جائز حقوق کی حفاظت ہے۔ بلکہ اس میں ایک مصلحت یہ بھی مضمر ہے۔ کہ کثرت طلاق کی وبانہ پھیلے۔

اس کے علاوہ اسلام کے قانون ازدواج کے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تصریحات کی روشنی میں طلاق دینے کا حق اور اختیار صرف مرد ہی کو دیا ہے۔ کیونکہ اسلام نے مرد کو قوام (حاکم) بنایا ہے اور قوام ہونیکی حیثیت سے طلاق دیئے اور رشتہ ازدواج کو منقطع کرنے کا حق اسکی ملکی خاص قرار دی گئی ہے۔ اور یہی وہ درجہ ہے۔ جو مرد کو عورت سے زائد ملا ہے۔ اگر اس کو بھی عورت کے سپرد کردیا جائے۔ تو بتائیے کہ **وللرجال علیھن درجة** کا معنی اور مطلب کیا ہوگا؟

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مسئلہ طلاق کا ذکر آیا ہے۔ مگر کہیں بھی عورت کو طلاق دینے والی اور مرد کو طلاق دیا گیا نہیں بتلایا گیا ہے۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے۔ کہ طلاق دینے والا مرد ہوگا اور طلاق دی گئی عورت ہوگی۔

حسب ذیل چند آیتیں بطور نمونہ پیش کیجاتی ہیں۔

نمبر ۱. **الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان**

"اور رجعی طلاق دو ہیں اس کے بعد مرد پر لازم ہے کہ عورت کو بھلے طریقے سے اپنے پاس روک رکھے یا بھلے طریقے پر رخصت کردے"۔

نمبر ۲. **فان طلقھا فلا تحل لہٗ من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ**

"مرد اگر عورت کو تیسری طلاق دیدے تو پھر یہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ دوسرے شخص سے نکاح کرکے پھر صحبت جماع کے بعد طلاق حاصل کرے (اور عدت بھی گزرجائے۔)

نمبر ۳. **لا جناح علیکم ان طلقتم النسآء**

"اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو تو اس میں تمہارے اوپر کوئی گناہ عائد نہ ہوگا"

نمبر ۴. **وان طلقتمو ھن من قبل ان تمسو ھن**

"اور اگر تم عورتوں کو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے دو"

نمبر ۵. **اذا طلقتم النسآء فبلغن اجلھن**

"جب تم عورتوں کو طلاق دے دو تو پھر ان کی عدت پوری ہوجائے" (بقیہ صفحہ ۵۷ پر)